ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

احمد فراز کی شاعری میں "تشبیہ"اور"استعارہ" کے استعمال کی مختلف جہات

Different aspects of using “Tashbeeh” and “Istearah” in Ahmad Faraz's poetry

Bahar Ali
Lecturer in Urdu Edwardes College Peshawar
Maryam Ejaz
Mphil (Urdu) Department of Urdu Hazara University Mansehra
Ihtisham ul Haq ,
Deptt; of Urdu Univetsity of Swabi

Abstract

The concept of modern-day ghazal poetry is impossible without Ahmed Faraz, whether it is mushaira, music or any other gathering, it is impossible not to hear Ahmed Faraz's poetry in these gatherings. Ahmed Faraz's ghazals have been sung by people like Gulkar Mehdi Hasan, Iqbal Bano, Begum Akhtar, Ghulam Ali and Malika Pakhraj in their unique and unique voices. are liked and that is why his collections have been translated into many languages. Several books have been published on him in Hindi and his poetry has been and will continue to be published in Hindi magazines.
Faraz's poetry is a true poetry of the pain of love. Faraz's poetry shows the state of waiting and the search for the beloved in which Faraz feels the fear of losing his beloved before finding it. In this pain, we also remember that it is necessary to part after meeting. Faraz makes us feel the value of love and the excitement in love with these poems.

Key Words:
Ahmed Faraz, “Tashbeeh”, “Istearah”, mushaira, music, Mehdi Hasan, Iqbal Bano, Begum Akhtar, Ghulam Ali, Malika Pakhraj..

احمد فراز کی شاعرانہ دل کشی دراصل ان کے بیان کا وصف ہے۔ان کے ہاں تشبیہات کا سیل رواں ہے۔ان کے ہاں تشبیات کا جہان آباد ہے۔شاید ہی کوئی شاعر ہو جس کے ہاں تشبیہ و استعارہ کا عمل نہ ہو لیکن جو سلیقہ احمد فراز کے ہاں ہے وہ خال خال دکھائی دیتا ہے۔

احمد فراز کی شاعری میں تشبیہ کا استعمال:

تشبیہات کے حوالے سے ان کی مشہور غزل سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں۔اس غزل کے ۲۲ اشعار میں ۱۹ مر تبہ سنا ہے کی تکرار ہے۔جس نے اس غزل کے صوتی تاثر کو غنائیت سے لبریز کر دیا ہے۔فراز نے محبوب کو مختلف فطری محاسن سے تشبیہ دے کر اسے مقبول ترین غزلوں میں شامل کر وا دیا ہے۔

سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
سواس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے درد کی گاہک ہے چشم ناز اس کی
سو ہم بھی اس کی گلی سے گزر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے اس کو بھی ہے شعر و شاعری سے شغف
سو ہم بھی معجزے اپنے ہنر کے دیکھتے ہیں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

سنا ہے بولے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں
یہ بات ہے تو چلو بات کر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے رات اسے چاند تکتا رہتا ہے
ستارے بام فلک سے اتر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے دن کو اسے تتلیاں ستاتی ہیں
سنا ہے رات کو جگنو ٹھہر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے حشر ہیں اس کی غزال سی آنکھیں
سنا ہے اس کو ہرن دشت بھر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے رات سے بڑھ کر ہیں کاکلیں اس کی
سنا ہے شام کو سائے گزر کے دیکھتے ہیں

(۱)

اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ان کے کلام میں موجود ہیں۔اس کی ایک اور مثال ان کی نظم پیغام بر ہے۔وہ پیغام بر کو عام انسانی روپ میں دیکھتے ہیں۔اس نظم کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

صورت انبوہ دریوزہ گراں
سب کے دل ہیں قہقہوں سے چور
لیکن آنکھ سے آنسو رواں
سب کے سینوں میں امیدوں کے چراغ
اور چہروں پر شکستوں کا دھواں

(۲)

فراز یہاں مخاطب کو مجمع دریوزہ گراں سے تشبیہ دے رہے ہیں۔جو اپنے درد اور آنسوؤں کا استعمال ہتھیار کے طور پر کرتے ہیں۔اسی طرح ان کی نظم 'زندگی اے زندگی' کے ابتدائی مصرعے دل کش تشبیہات لیے ہوئے ہیں۔

ع میں بھی چپ ہو جاؤں گا بجھتی ہوئی شمعوں کے ساتھ

ع جب تلک روشن ہیں آنکھوں کے فسردہ طاقچے

ع نیلگوں ہو نٹوں سے پھوٹے گی صدا کی روشنی (۳)

بجھتی شمعوں کو ڈھلتی عمر میں بینائی کی کمزوری کی یہ شاندار تشبیہ ہے۔دوسرا مصرع اس عمل کو اور واضح کرتا ہے۔آخری مصرعے میں بوقت مرگ ہونٹوں کے بدلتے رنگوں کو نیلگوں سے تشبیہ دے کر۔بسی کا ایک نیا رنگ سامنے آتا ہے۔نظم کے اس سے اگلے مصرعے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

تشبیہات کے عمل کو اور ابھار رہے ہیں۔احمد فراز کی کے ہاں تشبیہات میں اسماء و افعال اور حروف علت کا متناسب اور متوازن استعمال ہے۔جس میں فراز کے جمالیاتی شعور کا شاندار عکس ملتا ہے۔ان کے ہاں تشبیہ کی بہت سی صورتیں ہیں۔جن میں سے کچھ یہ ہیں: تشبیہ مفرد، تشبیہ مقید، تشبیہ مفروق، تشبیہ ملفوف، تشبیہ تسویہ ، تشبیہ جمع، تشبیہ مفصل، تشبیہ بعید تشبیہ مرسل تشبیہ ،مؤکد تشبیہ مفرد

فراز آج شکستہ پڑا ہوں بت کی طرح

میں دیو تا تھا کبھی ایک دیو داسی کا (۴)

مشبہ : شاعر، مشبہ بہ : بت، وجہ شبہ : دیوتا (بت) کی شکستگی

فراز نے یہاں محبوب کی بے رخی کو دلکش انداز میں بیان کیا ہے۔مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مفرد ہیں۔بت کی مناسبت سے دیو تا اور دیو داسی کا استعمال بہت خوبصورت ہے۔یعنی محبوبہ نے محبت کے بت کو پاش پاش کر دیا ہے۔ان کی شاعری اردو اور فارسی کے ساتھ ساتھ ہندی روایت کا حسین سنگم ہے۔انھوں نے اپنی شاعری میں ہندی تہذیب کی خوبصورت عکاسی کی ہے۔

دل ہے یا شہر خموشاں کوئی
نہ کوئی چاپ نہ دھڑکن نہ صدا (۵)

مشبہ دل، مشبہ بہ : شہر خموشاں، وجہ شبہ : خاموشی

دل کی ویرانی کو شہر قبرستان کی خاموشی کہنا تشبیہ کی عمدہ مثال ہے۔شہر خموشاں کی مناسبت سے چاپ ، دھڑکن اور صدا نے اسے اور خوبصورت بنا دیا ہے۔نہ یعنی حرف نفی کے بے ساختہ استعمال نے شعر میں عجب جاذبیت پیدا کر دی ہے۔گویا ویرانی اور خاموشی کی تجسیم کر دی گئی ہے۔

زندگی اوڑھ کے بیٹھی تھی ردائے شب غم
تیرا غم ٹانک دیا ہم نے ستارے کی مثال (۶)

مشبہ: غم، مشبہ بہ : ستارہ، وجہ شبہ : جڑنا، ٹانکنا

شب غم کی چادر میں مثل ستارہ غم ٹانکنا عمدہ تشبیہ ہے۔ردائے شب غم کی مناسبت سے ستارہ، غم ٹانکنا حسن بیان کی عمدہ مثال ہے۔ پھر ستارہ ٹانکنا امید افزا عمل ہے۔گو یا غم کی چادر کی چمک دمک عطا کر دی ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

تو بھی خوشبو ہے مگر میرا تجسس بے کار
برگ آوارہ کی مانند ٹھکانے میرے (۷)

مشبہ : شاعر، مشبہ بہ برگِ آوارہ، وجہ شبہ : آوارگی

ریشہ ءسنگ سے کھینچی ہوئی زلفیں جیسے
راستے سینہء کہسار پہ بل کھاتے ہوئے (۸)

مشبہ : راستے ، مشبہ بہ : زلفیں، وجہ شبہ : بل کھانا

کہاں کی آنکھیں کہ اب تو چہروں پر آبلے ہیں

اور آبلوں سے بھلا کوئی کیسے خواب دیکھے (۹)

مشبہ : آنکھیں، مشبہ بہ : آبلے ، وجہ شبہ بینائی نہ رکھنا، تشبیہ مقید

احمد فراز کے کلام میں تشبیہ مقید کی عمدہ مثالیں موجود ہیں جس سے انھوں نے ابلاغ کے غیر معمولی قرینے کا مظاہرہ کیا ہے۔تشبیہ مقید میں مشبہ اور مشبہ بہ مفرد ہوتے ہیں۔لیکن ان پر قید لگادی جاتی ہے۔مثلاً

یہ غمگیں آنکھیں کہ ایسے کسی خواب کواں جھیل میں

دو کنول شام ہستی کے کہرے میں لیٹے ہوئے ہوں

یہ گلنار لب جیسے باغ جوانی کی کلیاں

بہاروں کے انجام سے باخبر ہوں

یہ معصوم چہرہ کہ جیسے کسی جگمگاتے ہوئے شہر پر

دھند سی چھا گئی ہو (۱۰)

یہاں ہر مشبہ بہ یعنی دو کنول، باغ جوانی کی کلیاں، جگمگاتا ہوا شہر پر کوئی نہ کوئی قید موجود ہے۔ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

درد ایسا ہے کہ بجھتا ہے چمک جاتا ہے

دل میں اک آگ سی ہے آگ بھی جگنو والی (۱۱)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

درد کو ایسی آگ سے تشبیہ دی گئی ہے جو جگنو کی طرح چمکتی اور بجھتی ہے۔یہاں تشبیہ مقید کے استعمال کا عمدہ قرینہ عمل میں لایا گیا ہے۔

تشبیہ مفروق:

تشبیہ مفروق سے مراد وہ تشبیہ ہے جس میں پہلے مشبہ کا ذکر آتا ہے اور پھر اس کے بعد اس کا مشبہ بہ آتا ہے۔تشبیہ مفروق کی ایک مثال

دل تو وہ برگ خزاں ہے کہ ہوالے جائے

غم وہ آندھی ہے کہ صحرا بھی اڑالے جائے (۱۲)

یہاں دل اور غم مشبہ ہیں۔برگ خزاں اور آندھی مشبہ بہ ہیں۔دل کا غم سے اور برگ خزاں کا آندھی سے تعلق ہے۔جس طرح برگ خزاں کو آندھی اڑاتی پھرتی ہے اسی طرح غم دل کو برباد کر دیتا ہے۔

لعل سے لب، چراغ سی آنکھیں

ناک ستواں جبیں کشادہ تھی (۱۳)

یہاں لعل اور چراغ مشبہ ہیں۔جب کہ لب اور آنکھیں مشبہ بہ ہیں۔مذکور بالا دونوں اشعار تشبیہ مفروق کی عمدہ مثال ہیں۔

تشبیہ ملفوف

تشبیہ ملفوف میں پہلے کئی مشبہ اکھٹے آتے ہیں۔اور اس کے بعد کئی ایک مشبہ بہ یکجا کیے جاتے ہیں۔

بھری بہار میں اک شاخ پر کھلا ہے گلاب

کہ جیسے تو نے ہتھیلی پر گال رکھا ہے (۱۴)

ہتھیلی اور گال مشبہ اور شاخ اور گلاب مشبہ بہ ہے۔پہلے ہتھیلی کو شاخ سے تشبیہ دی ہے اور پھر گال کو گلاب سے۔دونوں تشبیہات فطری عمل کے قریب تر ہیں۔جو کہ ایک عمدہ قریبہ ہے۔احمد فراز کی شاعری اس قسم کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

تشبیہ جمع

اگر مشبہ واحد اور مشبہ بہ متعدد ہوں تو یہ تشبیہ جمع کہلاتی ہے۔احمد فراز کی مشہور غزل کا یہ شعر تشبیہ جمع کی خوبصورت مثال ہے۔

سنا ہے حشر ہیں اس کی غزال سی آنکھیں

سنا ہے اس کو ہرن دشت بھر کے دیکھتے ہیں (۱۵)

یہاں دہری تشبیہ کا استعمال ہوا ہے۔پہلے آنکھیں مشبہ ہیں اور غزال مشبہ بہ ہے۔دوسری صورت میں حشر مشبہ بہ اور آنکھیں مشبہ ہیں۔ایک اور مثال ملاحظہ ہو

یہ عالم شوق کا دیکھا نہ جائے

وہ بت ہے یا خدا دیکھانہ جائے (۱۶)

محبوب کو بت اور خدا دونوں کہہ دیا گیا ہے۔تشبیہ جمع کی یہ عمدہ مثال ہے۔ اگر وجہ شبہ کا ذکر موجود ہو تو وہ تشبیہ مفصل کہلاتی ہے۔ مثلاً

اک زخم گلاب سا کھلا ہے

اک دکھ کی چبھن ہے خار جیسی (۱۷)

یہاں جسم کو بلور سے تشبیہ دی گئی ہے۔وجہ شبہ چمک اور نزاکت ہے۔ تشبیہ بعید اگر وجہ شبہ یہ غور سمجھ آئے تو یہ تشبیہ بعید ہو گی۔

مصحف رخ ہے کسی کا کہ بیاضِ حافظ

ایسے چہرے سے کبھی فال نکالی جائے (۱۸)

یہاں مصحف رخ کو بیاض حافظ سے تشبیہ دی گئی ہے۔حافظ شیرازی کے دیوان سے فال نکالنے کی روایت موجود ہے۔فال کا نتیجہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔شاعر بھی قسمت آزمائی کرنا چاہتا ہے۔محبوب جدھر رخ کرے وہی مقدر کا سکندر ٹھہرے۔

تشبیہ مرسل:

جس میں حروفِ تشبیہ موجود ہوں وہ تشبیہ مرسل کہلاتی ہے۔

ہم ترے شوق میں یوں خود کو گنوا بیٹھے ہیں

جیسے بچے کسی تہوار میں گم ہو جائیں (۱۹)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

مندرجہ بالا شعر تشبیہ مرسل کی کیا عمدہ مثال ہے۔شاعر نے اپنی از خود در فشنگی کو بچے سے تشبیہ دی حمیدہ شاہین احمد فراز کے ہاں تشبیہ کے استعمال کے حوالے سے اپنی کتاب ''مطالعہ مضامین'' میں لکھتی ہیں:

> ''اردو شاعری میں بیان و بدیع کے تمام خصائص میں سے تشبیہ کا اظہار سب سے زیادہ ہوا ہے۔تشبیہ شاعری کا وہ جو ہر اصلی ہے جس کے ذریعے شعر کائنات میں موجو د رشتوں کو دریافت کرتا ہے۔اس عمل میں وہ تشبیہ کے نئے پیرائے تلاش کرتا ہے۔احمد فراز نے کچھ ایسی نادر تشبیہات تخلیق کی ہیں جو ایک بیش بہا اضافہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔تشبیہ کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ قاری پر لاشعوری اور وجدانی طور پر اثر انداز ہوتی ہے۔اس وصف کو فیض احمد فیض کے علاوہ جس ترقی پسند شاعر نے ندرت کے ساتھ برتا ہے وہ فراز ہیں ۔''(۲۰)

احمد فراز کے کلام میں تشبیہات کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ان کے مشبہ بہ

حسی اور عقلی ہوتے ہیں اور یہ فطرت کے قریب تر ہوتے ہیں۔احمد فراز کی ہر دلعزیزی میں اس فطری تازگی کا بہت دخل ہے۔ان کی تشبیہات دامن دل سے لپٹ جاتی ہیں۔دل ان کے لطف بیان کے مزے لیتا رہتا ہے اور طبیعت تادیر سرشار رہتی ہے۔غمگیں آنکھوں کو کنول کہنا، خشک آنکھوں کو بر سے بادل سے تشبیہ دینا، دل کو برگِ خزاں جمالیاتی اور تاثراتی حوالوں سے بھر پور تشبیہات ہیں اور سامع کے دل و دماغ کو اپنا اسیر بنا لیتی ہیں۔فراز کی بعض تشبیہات روایت کا تسلسل ہیں لیکن ان میں انھوں نے جو معنی آفرینی پیدا کی ہے وہ انھی کا خاصہ ہے۔

احمد فراز کی شاعری میں استعارے کا استعمال

احمد فراز کی شاعری میں علم بیان کی اہم شاخ استعارہ سے متعلق کئی ایک دلچسپ اور قابل داد و تحسین اشعار ملتے ہیں جو فراز کی شعری اٹھان میں اضافے کا باعث بنے ہیں فراز کہیں رومانوی تو کہیں احتجاجی لہجے میں استعارے سے کام لیتے ہیں۔قیام پاکستان کے بعد غزل میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو فراز نے خوش دلی سے قبول کیا اور اپنے کلام کی زینت بنایا۔بقولِ یوسف حسن:

> ''قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں اردو غزل میں بھی آہستہ آہستہ فکری وفنی تبدیلیاں رونما ہونے لگیں اور سماجی، تہذیبی ماحول میں تبدیلی سے نئے استعاروں کی تخلیق کا امکان بڑھنے لگا۔خود ترقی پسند ادبی نقاد اور غزل گو شاعر بھی ان اضافوں کی ضرورت سے بے خبر نہیں تھے۔ترقی پسند شاعروں نے اپنی ترقی پسندی کو بحال رکھتے ہوئے ایک احتیاط کے ساتھ فکری و فنی جد توں کو اپنایا اور غزل کے ترقی پسند مرکزی استعاراتی نظام سے ہم رشتہ رہتے ہوئے اس میں تخفیف و توسیع سے کام لیا یہی رویہ احمد فراز کی غزل میں استعارہ کاری میں نظر آتا ہے۔''(۲۱)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

محبوب کے لیے مختلف الفاظ بطور استعارہ پیش کرنے کا چلن اردو شاعری میں عرصے سے عام رہا ہے۔فراز کیے ہاں بھی اس کے عناصر پوری تابناکی سے ملتے ہیں۔ذیل میں استعارے کے زمرے میں آنے والا ایک شعر دیکھتے ہیں جس سے ہمیں فراز کے استعاراتی نظام کا پتہ چلے گا:

جوابر تھا تو اسے ٹوٹ کر برسنا تھا

یہ کیا کہ آگ لگا کر ہوا روانہ وہ (۲۲)

استعارے کے حامل اس شعر میں فراز نے نہایت خوب صورت انداز میں محبوب کو بادل قرار دیا ہے۔اب بادل کا کام برسنا ہے اور ٹھنڈک پہنچانا ہے لیکن یہ کہنا کہ محبوب نے وصال کی بجائے جدائی کا راستہ اختیار کیا اور جہاں برسنا تھا وہاں آگ لگا دی۔اس شعر میں بہ یک وقت دو استعارے پیش کیے گئے ہیں۔محبوب کے لیے ابر جب کہ جدائی کے لیے آگ کا استعارہ ملتا ہے۔ فراز نے محبوب کے سراپے کو استعارے کے لبادے میں لپیٹ کر جب پیش کیا تو شعر میں ایک دلچسپ فضا پیدا ہوئی:

ایسا لگتا ہے کہ ہر موسم ہجراں میں بہار
ہونٹ رکھ دیتی ہے شاخوں پہ تمھارے لے کر (۲۳)

اس شعر کی کامیابی دیکھیے کہ جدائی کے دنوں میں شاعر کو پھولوں کے دیدار سے محبوب کے ہونٹوں کی یاد آرہی تھی۔یہ استعارہ اپنی سطح پر ایک منفرد مقام بھی رکھتا ہے کیوں کہ یہاں ہو نٹوں کو پھول کی بجائے پھولوں کو ہونٹ کہا گیا ہے۔جب شاعر شاخوں پر کھلے پھولوں کو دیکھتا ہے تو اس کو محسوس ہوتا ہے جیسے یہ اس کے محبوب کے ہونٹ ہیں۔ فراز کے ہاں استعاراتی عمل کو دیکھنے کے لیے مزید ایک شعر دیکھیں:

ہر گھر کا دیا گل نہ کرو تم کہ نہ جانے

کس بام سے خورشید قیامت نکل آئے (۲۴)

یہاں فراز کا مزاحمتی لہجہ ہمارے سامنے آتا ہے جس میں وہ معاشرتی ناہمواریوں اور گھر گھر پر ڈھائے جانے والے ظلم کے خلاف سراپا احتجاج ہیں۔گھروں کے دیے گل کرنے سے مراد خو شحالیاں ختم کرنا ہے۔یہاں دیا خو شحالی کا استعارہ ہے اور فراز ظلم اور بربریت پھیلانے والوں کو تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ اس عمل سے باز رہیں ورنہ عین ممکن ہے انھیں عذاب کے عمل سے گزرنا پڑے۔فکری حوالے سے دیکھا جائے تو فراز اس شعر میں معاشرتی ظلم و ستم کے خلاف سراپا احتجاج ہیں۔لیکن استعارے کے سہارے نے شعر کو ایک خاص لکھتی حسن عطا کیا ہے اور بیان میں وہ تاثیر پیدا ہوئی ہے جس سے شعر اثر پذیر نظر آتا ہے۔ڈاکٹر روبینہ ناز ہیں:

"فراز کے استعارے جہاں نئی تہذیب کی علامت ہیں۔وہیں اس کی ذات کے داخلی نفسی
عوامل کا اظہار بھی ہیں۔یہ نہ صرف ہمیں سیاسی اتار چڑھاؤ اور حکمرانوں کے استبداد اور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

جبر کا شعور عطا کرتے ہیں بل کہ شاعر کی ذات کے نفسیاتی آشوب کی طرف بھی متوجہ ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔لیکن یوں معلوم ہوتا ہے شعری تجر بے شاعر کے جذباتی ترفع یا آسودگی کی بجائے احساس زیاں بن جاتے ہیں ۔"(۲۵)

فراز محبوب کے لیے کافر کا استعارہ کس خوب صورتی سے استعمال کرے ہیں۔شعر دیکھیے:

سمجھارہے تھے مجھ کو سبھی ناصحان شہر

پھر رفتہ رفتہ خود اسی کافر کے ہو گئے (۲۶)

عاشق کو نصیحت کرنے والوں سے ہمیشہ مسئلہ رہا ہے۔در اصل یہ لوگ عاشق کو محبوب سے دوری اختیار کرنے پر مائل کرتے ہیں جو کہ اس کے لیے ناممکنات میں سے ہے۔فکری حوالے سے دراصل شاعر مذکور شعر میں محبوب کے حسن و جمال کی تعریف کے ساتھ ساتھ اپنے عمل کا دفاع کر تادکھائی دیتا ہے لیکن وہ محبوب کے لیے لفظ کافر کو استعارے کے طور پر لاتے ہوئے شعر میں ایک خاص دلچسپی پیدا کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ فراز معاملہ بندی کے حامل شعر کو استعارے کے ساتھ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ قاری داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا:

یوں ان لبوں کے مس سے معطر ہوں جس طرح

وہ نوب بارِ ناز تھا خوشبو پسیے ہوئے (۲۷)

ایک بات بتانے اور ایک چھپانے کے مصداق عمل کو فراز نے کس خوش اسلوبی سے پیش کیا۔محبوب کے لیے نو بہارِ ناز کا استعارہ لاتے ہوئے فراز نے شعر میں قابل تحسین حسن پیدا کر دیا ہے۔محبوب کے لیے فراز کے ہاں نہایت عمدہ اور انوکھے استعارے موجود ہیں ایک شعر دیکھیں:

ہم بھی اک شعلہ شمائل کو لیے ساتھ چلیں

اب کے جب برف کو ہستانِ سکر دو میں پڑے ہیں (۲۸)

شعر معنوی حوالے سے نہایت خوب صورت تو ہے ہی اگر غور کریں تو یہاں محبوب کے لیے شعلہ شمائل کا استعارہ شعر کو ایک خاص مقام دیتا ہے۔اگر یہاں محبوب کو محض محبوب کہ کر پیش کر دیا جائے شعر میں وہ خاص درجہ نہیں رکھتا جس درجے پر استعارے نے شعر کو پہنچایا ہے۔یہاں فراز کی شاعرانہ ہنر مندی کا اعتراف ہوتا ہے کہ وہ شعر کو شعر بنانے کا ہنر جانتے ہیں اور انھیں علم بیان اور بدیع کا بر محل استعمال آتا ہے۔فراز سے متعلق ایک رائے دیکھیے:

"تہذیبی استعاراتی تمثالوں میں انھوں نے کوئی خاص نیا اضافہ تو نہیں کیا لیکن ان ساری تمثالوں کو پرانے اور نئے تلازموں کے ساتھ پیش کرتے ہوئے کم و بیش معنوی جدت کا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

اظہار کیا اور یہ معنوی جدت ان کے ترقی پسندانہ فکر و احساس کی ترجمانی کرتی ہے ۔"(۲۹)

محبوب کی جدائی ایک عاشق کو رلا دیتی ہے اور وہ آنسوؤں میں ڈوب جاتا ہے۔آنسوؤں کے لیے بارش ، دریا اور ساون ایسے الفاظ کو بطورِ استعارہ پیش کرتے ہوئے شاعر کو اس بات کا سلیقہ پیدا کرنا پڑتا ہے کہ جس لفظ کو اس نے استعارے کو طور پر برتا ہے وہ مذکور ضرورت پوری کر رہا ہے یا نہیں۔فراز اس عمل میں کامیاب دکھائی دیتے ہیں:

پھر یوں ہوا کہ ساون آنکھوں میں آبسے تھے

پھر یوں ہوا کہ جیسے دل بھی تھا آبلہ سا (۳۰)

اس شعر میں فراز نے آنسوؤں کے لیے لفظ ساون کو استعارے کے طور پر استعمال بر محل کیا ہے۔محبوب کے ہجر میں آنکھوں کا آنسوؤں سے بھر جانا عام بات ہو سکتی ہے مگر شاعر کا قرینہ اس کو خاص بناتا ہے اور یہاں فراز نے استعارے کا راستہ اختیار کرتے ہوئے شعر کو ایک خاص سطح پر پہنچایا ہے جو کہ داد کے قابل ہے۔اس شعر میں تشبیہ بھی موجود ہے جہاں فراز دل کو آبلے سے تشبیہ دے رہے ہیں۔احمد فراز کے ہاں کچھ ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن میں ایک سے زائد استعارے ہوتے ہیں۔یوسف حسن کے بقول:

> "کسی شعر میں ایک یا دو استعارے ہیں تو ان کی استعاراتی معنویت محدود ہوتی ہے۔اس سے بڑھ کر اگر کسی شعر میں تقریباً ساری تمثالیں استعاراتی تمثالیں ہوں تو شعر میں کثیر المعنی ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔احمد فراز کی غزلوں میں دونوں قسم کے استعاراتی اشعار موجود ہیں۔ایسے اشعار جن میں ایک یا دو استعارے برتے گئے ہیں، ان کی تعداد زیادہ ہے اور ان اشعار کی تعداد نسبتاً کم ہے جن میں دو سے زیادہ استعارے شامل ہیں اور جنھیں مکمل استعاراتی اشعار کہا جاسکتا ہے ۔"(۳۱)

ہمارے یہاں دنیا کے لیے مختلف تشبیہات و استعارے موجود ہیں۔احمد فراز کی شاعری میں دنیا کے لیے خرابات اور تمام انسانوں کے لیے رندوں کا استعارہ دیکھنے کو ملا تو معلوم ہوا کہ فراز نے ان استعاروں کے سہارے دنیا کو ایک نئے انداز میں دیکھا اور بیان کیا۔

آداب خرابات کا کیا ذکر یہاں تو

رندوں کو بہکنے کی ادا تک نہیں آتی (۳۲)

دنیا میں رہنے کا سلیقہ اور زندگی بسر کرنے کا طریقہ سیکھنا اور سکھانا ایک اہم مسئلہ ہے اور اکابرین اس حوالے سے ہمیشہ ہی شکوہ سنج نظر آتے ہیں۔فراز بھی اس اہم مسئلے پر پریشانی کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان کا انداز قدرے مختلف ہے اور ان کے انداز کو مختلف بنانے میں استعارے کا عمل دخل موجود ہے۔دنیا کو خرابات اور لوگوں کے لیے رند کا استعارہ استعمال کرتے ہوئے فراز بتاتے ہیں کہ میخانے کے ادب آداب سے واقفیت ضروری ہے تاہم یہاں لوگ زندگی کے بنیادی اصولوں سے ناواقف ہیں۔جینے کے سلیقے سے نابلد ہیں اور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

انھیں یہ تک معلوم نہیں کہ زندگی کی بنیادی ضروریات کیا ہیں۔یہ سب باتیں اگر عام انداز میں کی جائیں تو شاید وہ اثر نہ رکھتی ہوں جو شاعر نے اپنی فنی مہارت کو بروئے کار لا کر اثر پذیری حاصل کی ہے۔فراز کو چوں کہ اس بات کا ادراک ہے کہ ان کی فکر فن کی محتاج ہے اسی لیے وہ علم بدیع و بیان کے مختلف وسائل سے استفادہ کرتے ہیں جن سے ان کی فکر موثر انداز میں قاری تک پہنچتی ہے۔ احمد فراز کا ایک اور شعر ملاحظہ ہو جس میں وہ محبوب کے لیے ابرِ گریزاں کا استعارہ استعمال کرتے ہیں:

تر سا دیا ہے ابرِ گریزاں نے اس قدر

بر سے جو بوند بھی تو سمندر لگے مجھے ۔ (۳۳)

محبوب کے لیے مذکور بالا استعارہ استعمال کرتے ہوئے محبوب کی دوری اور بے رخی فراز کے پیش نظر ہے۔عاشق اپنے محبوب کے لیے ترستا ہے اور وہ اس کے وصال کے لیے پہروں دعا گو رہتا ہے۔مسلسل جدائی کے عمل سے گزرتے ہوئے فراز محبوب کے لیے ابر گریزاں کا استعارہ تخلیق کرتے ہیں۔جس کی وسعت کا اندازہ ہمیں محبوب کے رویے سے ہوتا ہے۔عاشق بوند بوند کو ترس رہا ہے۔غور کریں تو وہ ہجر کی دھوپ اور آگ میں جل رہا ہے اور اس کو وصل کا سایہ درکار ہے۔ان باتوں کے بیان کے لیے فراز نے استعارے کا سہارا لیتے ہوئے محبوب کو بادل اور ابر گریزاں کہ کر پکارا ہے۔دونوں اشعار استعارے کے باعث زیادہ خوب صورت اور موثر طریقے سے پیش کیے گئے۔شاعر نے اپنی شاعرانہ ہنر مندی کا بھر پور طریقے سے مظاہرہ کرتے ہوئے اشعار کو زیادہ دل کش اور پر اثر بنایا ہے۔بادل محبوب کے علاوہ خوش حالی اور اچھے وقت کا استعارہ بھی ہو سکتا ہے۔فراز کے کلام سے ایک شعر دیکھیں:

کبھی تو ہم کو بھی بخشے وہ ابر کا ٹکڑا

جو آسمان کو نیلی گھٹائیں دیتا ہے (۳۴)

فراز نے استعارے کو وسیلہ بناتے ہوئے اپنی فکر کو نہایت خوب صورت پیرائے میں پیش کیا ہے اوراستعارے کا حامل ایک ایک شعر قابل داد ہے۔

حوالہ جات

۱۔عبدالقادر غیاث الدین فاروقی،ڈاکٹر،احمد فراز شخصیت وشاعری،بلواسٹار پرنٹس،بیجاپور،انڈیا،۲۰۱۵ء،طبع اوّل،ص۶۷

۲۔احمد فراز،خواب گل پریشاں ہے،دوست پبلی کیشنز،اسلام آباد،طبع اول ۱۹۹۴،ص ۱۳ ۲۲

۳۔احمد فراز،درد آشوب،دوست پبلی کیشنز،اسلام آباد،طبع دوم ۲۰۰۵،ص ۴۵

۴۔احمد فراز،درد آشوب،ص ۱۰۰

۵۔احمد فراز،نایافت،دوست پبلی کیشنز،اسلام آباد،طبع دوم ۲۰۱۴ء،ص ۸۵

۶۔احمد فراز، تنہا تنہا، یوسف پبلی کیشنز، راولپنڈی، طبع اول سان، ص۸۹

۷۔احمد فراز، خواب گل پریشاں ہے، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، طبع اول۱۹۹۸ء، ص۹۵

۸۔احمد فراز، درد آشوب، ص۲۰

۹۔احمد فراز، تنہا تنہا، ص۴۷

۱۰۔احمد فراز، بے آواز گلی کوچوں میں، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، طبع دوم۲۰۱۵ء، ص۹۸ ۳۰

۱۱۔احمد فراز، میرے خواب ریزہ ریزہ، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، طبع دوم۲۰۰۵ء، ص۲۳

۱۲۔احمد فراز، اے عشق جنوں پیشہ، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، طبع اول۲۰۰۷، ص۴۳

۱۳۔احمد فراز، درد آشوب، ص۲۸

۱۴۔احمد فراز، پس انداز، موسم دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، طبع دوم۲۰۱۵ء، ص۷

۱۵۔احمد فراز، اے عشق جنوں پیشہ، ص۱۱۱

۱۶۔احمد فراز، خواب گل پریشاں ہے، ص۱۸

۱۷۔احمد فراز، درد آشوب، ص۸۳

۱۸۔احمد فراز، شہر سخن آراستہ ہے، (کلیات)، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، طبع اول۲۰۰۴ء، ص۱۵۶۷

۱۹۔احمد فراز، جاناں جاناں، تنویر پرمیں لکھنو، طبع اول۱۹۷۹، ص۴۱

۲۰۔احمد فراز، اے عشق جنوں پیشہ، ص۳۵

۲۱۔حمیدہ شاہین، مطالعہ مضامین، ص۱۲۰

۲۲۔یوسف حسن، احمد فراز کی غزل میں استعارہ کاری، مشمولہ کتاب بیادِ احمد فراز، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، طبع اول۲۰۰۹، ص۳۳۲

۲۳۔احمد فراز، نایافت، کاک پرنٹس، دہلی، طبع اول۲۰۰۲، ص۹

۲۴۔احمد فراز، غزل بہانہ کروں، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، طبع اول۲۰۰۶، ص۴۳

۲۵۔احمد فراز، جاناں جاناں، ص۲۱

۲۶۔ روبینہ ناز، ڈاکٹر، اک طلسم خوش جمال مشمولہ کتاب بیادِ احمد فراز نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد،

۲۰۰۹، ص ۱۰۵

۲۷۔ احمد فراز، جاناں جاناں، ص ۳۸

۲۸۔ احمد فراز، اے عشق جنوں پیشہ، ص ۸۲

۲۹۔ ایضاً، ص ۸۴

۳۰۔ یوسف حسن، احمد فراز کی غزل میں استعارہ کاری، مشمولہ کتاب بیادِ احمد فراز، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۹، ص ۳۳۶

۳۱۔ احمد فراز، جاناں جاناں، ص ۵۷

۳۲۔ یوسف حسن، احمد فراز کی غزل میں استعارہ کاری، ص ۳۳۷

۳۳۔ احمد فراز، تنہا تنہا، ص ۷۰

۳۴۔ احمد فراز، نایافت، ص ۲۵

۵۴۔ ایضاص ۹۱